Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا
فون نمبر ۹۴
رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۲۵۴
خطبہ نمبر ۵
روزنامہ
الفضل ربوہ
ایڈیٹر روشن دین تنویر
یوم چہارشنبہ
The Daily ALFAZL RABWAH
قیمت فی پرچہ ۱۲ پیسے
جلد ۵۶/۲۱ | ۸ تبلیغ ۱۳۴۶ھ ش ۲۸ شوال ۱۳۸۶ھ ۸ فروری ۱۹۶۷ء | نمبر ۲۷

اخبار احمدیہ

○ ربوہ ۷ فروری۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طبیعت تا حال ناساز ہے۔ کھانسی بہت ہے۔ ضعف بھی ہے۔ نیز رات کو حرارت بھی ہو گئی تھی۔ احباب جماعت خاص توجہ اور التزام سے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو اپنے فضل سے صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے آمین

○ ربوہ ۷ فروری۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کو کل پھر بلڈ پریشر کی تکلیف زیادہ ہو گئی۔ کمزوری بہت ہے۔ احباب جماعت خاص توجہ کے ساتھ بالالتزام دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ موصوفہ کو اپنے فضل سے شفائے کامل و عاجل عطا کرے آمین۔

نظارت اصلاح و ارشاد کے زیر اہتمام جاری کردہ تعلیم القرآن کلاس کے افتتاح کے موقعہ پر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تقریر

قرآن کریم کے بیان فرمودہ دس روحانی علوم

جنہیں جانے اور جن پر عمل کئے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی اور پختہ تعلق قائم نہیں کر سکتے۔

مرتبہ۔ مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۶۶ء کو صبح ساڑھے سات بجے مسجد مبارک ربوہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نظارت اصلاح و ارشاد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی تعلیم القرآن کلاس کا افتتاح فرمایا۔ حضور نے کلاس میں شامل ہونے والے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے احباب کو ایک بصیرت افروز خطاب سے سرفراز فرمایا۔ حضور کے اس خطاب کا مکمل متن احباب کے استفادہ کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس وقت میں تعلیم القرآن کلاس کا افتتاح کروں گا۔ اس کے بعد سیرت النبیؐ کا جلسہ ہوگا اور جلسہ کے بعد کلاس کی تعلیم و تدریس شروع کی جائے گی۔

آج میں اپنے بھائیوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ

انسانی زندگی کا مقصد

یہ ہے کہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے اور پھر یہ تعلق پختہ ہو۔ اس تعلق کے قیام کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر انسان کو متوجہ کیا ہے۔ مگر صرف اس قسم کی باتیں سننے سے کہ اپنے رب سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے، تعلق قائم رکھنا چاہیئے یا تعلق پختہ ہونا چاہیئے، ہمارا اپنے رب سے تعلق قائم نہیں ہو جاتا۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے رب سے کس طرح تعلق قائم رکھیں اور کس طرح اسے پختہ کریں۔ سو اس کے متعلق ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں (اس کے شروع سے لے کر آخر تک) بہت کچھ بتایا ہے۔ اگر توجہ اور فکر سے غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رب سے تعلق قائم کرنے اور اسے پختہ کرنے کے لئے دس علوم کا جاننا ضروری ہے۔ یہ علوم دنیوی علوم مثلاً علم تاریخ، علم فلسفہ، علم ہیئت اور علم ریاضی وغیرہ کی طرح مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔

ان علوم کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے جانے اور ان پر عمل کرنے کے بغیر ہم اپنے رب سے نہ تو تعلق قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور نہ اس سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں۔ ان علوم میں سے پہلا علم اللہ تعالیٰ کے حسن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور وہ ہے علم ذاتِ باری اور علم صفاتِ باری۔ جب تک ہمیں اس بات کا علم نہ ہو کہ ہمارا اللہ اور ہمارا رب کس قسم کی ہستی ہے۔ اس وقت تک اس کے ساتھ ہمارا صحیح تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے

کہ ہمارا خدا بڑی ہی حسین ذات ہے بلکہ وہ تمام حُسنوں کا منبع ہے۔ دنیا میں کہیں کسی جگہ اور کسی نقطۂ نگاہ سے آپ کو کوئی حُسن نظر آئے تو وہ حُسن دراصل اللہ تعالیٰ کے حُسن کا ہی ایک پرتَو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نہایت تفصیل کے ساتھ ہمیں بتایا ہے کہ ہمارا اللہ وہ ہے جو اپنی ذات اور اپنی صفات میں کمال تام رکھتا ہے۔ تمام محامدِ کاملہ اس کے لئے ہی ثابت ہیں۔ وہ تمام صفاتِ حسنہ سے متصف اور ہر قسم کے نقص، خامی، کمزوری اور برائی سے منزہ ہے۔

صفاتِ باری کے متعلق جس قدر علم ہمیں قرآن کریم میں ملتا ہے اس کا سواں حصہ بھی شائد اس سے قبل کی آسمانی کتابوں میں موجود نہ ہو بلکہ میں کہوں گا کہ شائد اس کا ہزارواں حصہ بھی ان کتب میں نہ ہو۔ کیونکہ ان کتب سماویہ کے زمانہ میں انسان اپنی عقلی، قلبی، اور دماغی نشوونما میں اس مقام تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے اللہ اور اس کی صفات کا علم اس رنگ میں حاصل کر سکے جس رنگ میں کہ انسان اپنی عقلی، قلبی اور دماغی نشوونما کے بعد حاصل کر سکتا تھا۔ اور اس غرض کو پورا کر سکے

مسعود احمد جہلمی پرنٹر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفضل دار الرحمت غربی ربوہ سے شائع کیا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جس کے پورا کرنے کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا۔

خدا تعالیٰ کے کاموں میں تدریج پائی جاتی ہے

دیکھو جب درخت کی گٹھلی لگائی جاتی ہے تو وہ پہلے ہی دن درخت نہیں بن جاتا اور نہ اُسے پھل پھول آنے لگتے ہیں۔ سوائے بعض ناسمجھ مولویوں کے اور کسی کے دماغ میں یہ بات آہی نہیں سکتی۔ کہ کوئی درخت تدریجاً درخت نہیں بنتا بلکہ ایک ہی دن میں وہ نہ صرف تن آور درخت بن جاتا ہے بلکہ اسے پھل پھول بھی آنے لگتے ہیں۔

ایک دفعہ میں ایک گاؤں میں گیا۔ وہاں ایک بڑے تیز طبع زمیندار تھے وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے ہمارا مولوی یہ کہتا ہے کہ حضرت صاحب یہاں تشریف لائیں۔ ہماری مسجد کے مینار پر آم کی گٹھلی بوئیں، وہ گٹھلی اسی وقت درخت بن جائے، اور پھر اس درخت کو آم لگیں، اور وہ آم ہم کھائیں۔ تب میں احمدی ہوں گا۔ اس شخص کو میں نے یہ جواب دیا۔ اگر آپ کے مولوی صاحب کو آم کھانے کا اتنا شوق ہے تو وہ آم کے موسم میں میرے پاس آجائے۔ میں اسے اتنے آم کھلا دوں گا کہ اس کی خواہش پوری ہوجائے گی۔ لیکن مذہب کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہنسی اور مذاق کسی صورت میں بھی انسان کو زیب نہیں دیتا

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے سب کاموں میں تدریج کا قانون بنایا ہے۔ اور اس قانون کو دنیا کے ساتھ یا دنیا کو اس قانون کے ساتھ اس طرح باندھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خالقیت کی شان ہمیں نظر آتی ہے۔ آم کے درخت کو ہی لے لو۔ گو آم کے درختوں کی مختلف اقسام میں بہت فرق ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر آم کا درخت پانچ سال کے بعد پھل دینا شروع کرتا ہے۔ اس کے مقابل پر گندم کے پودے کی ساری عمر ہی چھ مہینے ہے۔ اس چھ ماہ میں دانہ بویا جاتا ہے، دانہ اُگتا ہے، پھر پودا بڑھتا ہے، پھلتا ہے اور پھولتا ہے۔ پھر گندم کے دانے جو اسے لگتے ہیں پک جاتے ہیں۔ تو وہ خشک ہوجاتا اور مر جاتا ہے۔ اور اس کی موت میں انسان اور جانوروں کی زندگی مضمر ہے۔ کیونکہ اگر وہ مرے نہیں تو آپ کو گندم بھی نہ ملے۔ اور آپ کی بھینسیں اور دوسرے جانوروں کو بھوسہ نہ ملے۔ پس اللہ تعالیٰ تدریجاً سارے کام کرتا ہے۔

انسان انفرادی طور پر ایک بچے کی شکل میں دنیا میں آتا ہے۔ اس وقت اس میں نہ کوئی سمجھ ہوتی ہے اور نہ طاقت ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کے لئے غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اور غیر کی احتیاج کے ساتھ ہی انسان کی زندگی قائم ہے۔ اگر ماں اسے دودھ نہ پلائے، اس کی صحت کا خیال نہ رکھے، پیشاب اور پاخانہ کے بعد فوری طور پر اس کی صفائی نہ کرے تو وہ بہت سے عوارض میں مبتلا ہوجائے۔ غرض انسان ہر چیز میں غیر کا محتاج ہے۔ لیکن جس وقت وہ بڑا ہوجاتا ہے، جوان ہوجاتا ہے، اور اس کی عقل میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے۔ تو وہی زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگ جاتا ہے۔ چاند میں پہنچنے کی سکیمیں تیار کرنے لگتا ہے۔ پہاڑوں کو کاٹ کر اپنے لئے راستے تیار کرتا ہے۔ دریاؤں کے راستوں کو اپنی جگہوں سے ہٹا کر ان کے پانیوں کو نہروں میں لے آتا ہے۔ اور اس طرح اپنے ملک کی فصلوں کو زیادہ سے زیادہ اگانے کی تدبیر کرتا ہے لیکن یہ انجنئر اور سکیمیں سوچنے والا شخص وہی تھا جو اپنے بچپن میں اپنے چہرہ پر سے مکھی اڑانے کے لئے بھی اپنی ماں کا محتاج تھا۔

جب انسان اپنی

بچپن کی حالت

کو اپنے ذہن میں رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں غیر کا محتاج ہوں اور اس وقت دل کے اندر فطرتِ صحیحہ کی آواز گونج رہی ہوتی ہے، تو وہ یہ کہتا ہے۔ میں غیر کا محتاج تو ہوں لیکن غیر اللہ کا محتاج نہیں۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوں۔ میں اس کے بغیر اپنی ذات میں نہ قائم رہ سکتا ہوں، نہ زندہ رہ سکتا ہوں، اور نہ ترقی کرسکتا ہوں۔ مجھے بہرحال کسی غیر کی احتیاج ہے۔ اور وہ غیر خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس وقت اس کی فطرت اسے بتا رہی ہوتی ہے کہ بچپن میں تو شاید غیر شعوری طور پر تمہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ تم غیر اللہ اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں یا (بعض خاندانوں میں) نوکروں کے محتاج تھے۔ لیکن اب تمہیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ

میں صرف اپنے رب کا محتاج ہوں

جس طرح ایک فرد بچپن سے بڑھاپے تک درجہ بدرجہ اپنے علم اور اپنے جسم میں ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اسی طرح بنی نوع انسان بحیثیت مجموعی درجہ بدرجہ ترقی کرتے رہے ہیں۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی جماعت یعنی انسان کی وہ نسل جو پہلی بار اس قابل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اس پر نازل کی جائے۔ وہ اپنے بچپن میں سے گزر رہے تھے اور سارے قرآن کریم اور قرآن کریم کے سارے علوم کے وہ حامل نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم کی تعلیم کا ایک حصہ ان کی فطرت اور ان کی نشوونما کے مطابق انہیں دیا گیا تھا۔ پھر انسان درجہ بدرجہ اس مقام تک پہنچا جہاں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے علم غیب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وجود ان میں پیدا کیا۔ جو نہ صرف خود بھی حامل قرآن بننے کی قابلیت رکھتے تھے۔ بلکہ اس وقت کے تمام بنی نوع انسان جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے تھے قرآن کریم کے علوم کے حامل بن سکتے تھے۔

غرض قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے پہلی کتب سماویہ کے مقابل پر

اللہ تعالیٰ اور اس کی صفاتِ کاملہ کا کامل علم

انسان کو دیا ہے۔ اور اس علم کے حصول کے بغیر یعنی یہ جانے بغیر کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا ہے۔ کس قسم کی ہے۔ اور اس کی صفات کون کون سی ہیں اور کس طرح وہ جلوہ گر ہوتی ہیں خدا تعالیٰ کا عرفان حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو ہمیں اللہ تعالیٰ کے حقیقی حسن کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اور جب تک ہمیں اللہ تعالیٰ کے حقیقی حسن کا پتہ نہ لگے۔ اس وقت تک ہم اس کا عرفان حاصل نہیں کرسکتے۔ اور نہ ہم اس حسن کی طرف کھنچے جاسکتے ہیں۔

پس پہلا علم جو انسان کی پیدائش کی غرض (کہ بندہ اپنے رب کا حقیقی بندہ بن جائے) کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ وہ ذاتِ باری اور صفاتِ باری سے تعلق رکھتا ہے۔ اور قرآن کریم نے بڑی تفصیل کے ساتھ ہمیں یہ علم سکھایا ہے۔

میں شاید کچھ زیادہ تفصیل میں چلا گیا ہوں۔ میں نے اس وقت آپ کو

قرآن کریم کے تعلق باللہ سے تعلق رکھنے والے دس علوم

کے متعلق کچھ بتانا ہے۔ اور اس کے بعد جو نتیجہ میں نکالوں گا وہ آپ کو بتاؤں گا۔ بہرحال علم ذاتِ باری یا علم صفاتِ باری پہلا علم ہے جو قرآن کریم ہمیں سکھاتا ہے۔ اور اس علم کو ہم حسن باری تعالیٰ کے علم یا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے علم کا نام دے سکتے ہیں۔ اور اسے اس نام سے پکار سکتے ہیں۔

قرآن کریم سے میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

یعنی اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کا نور ہے۔ آسمانوں کا بھی وہی نور ہے اور زمینوں کا بھی وہی نور ہے۔ پس جس وقت انسان اندھیرے میں پھر رہا ہو۔ اور اسے اپنے لئے نور کی تلاش ہو۔ تو اس علم یعنی اللہ نور السمٰوٰت والارض کے حاصل کرلینے کے بعد بہرحال وہ اس سرگردانی کے وقت اور ان اندھیروں کے وقت جو اس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور وہ پریشان ہو رہا ہے! اپنے اللہ اور اپنے رب کی طرف منہ پھیرے گا اور متوجہ ہوگا۔ وہ اللہ اور وہ رب جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ نور السمٰوٰت والارض ہے۔ اور اگر میں نے نور حاصل کرنا ہے۔ تو صرف اسی ذات کامل سے ہی حاصل کرسکتا ہوں۔

دوسرا علم

جو تعلق باللہ کے حصول کے لئے ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ کے عبد بننے کے لئے لازمی اور لابدی شے ہے، وہ علم ہے جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور اس کی خلق صناعت کا کمال اپنے اندر رکھتی ہے اس کی صنعت سے اچھی صنعت ہمیں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اللہ خالق کل شیئٍ

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت اس کی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خالقیت یعنی اس عالم میں یا عالمین میں، یا اس چیز میں جو ان عالمین سے تعلق رکھتی ہے، ان کی خلق میں، ان کی نشوونما کے مدارج میں اور ان کے باہمی تعلقات میں جاری ہے جس کو ہم سنّت اللہ بھی کہتے ہیں اور ان لوگوں کی زبان میں جو اپنے رب کو پوری طرح نہیں پہچانتے توانینِ قدرت بھی کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں انسان نے سائنس میں بڑی ترقی کی ہے اور جوں جوں انسان سائنس کے میدانوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اس کی ہر کامیابی یہ ثابت کر رہی ہے کہ

ماتریٰ فی خلق الرحمان من تفاوت

کا اصول ہر چیز پہ حاوی ہے۔ کوئی سائنس دان کبھی یہ نہیں کہتا اور کبھی یہ دعوےٰ نہیں کرتا کہ اس کی کوئی ایجاد یا دریافت قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ ہمارے محترم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی ایسے سائنسدان سے ملتے ہیں جسنے کوئی نئی دریافت کی ہو تو وہ اس سے پوچھا کرتے ہیں بھئی تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری نئی دریافت نے قوانینِ قدرت کو توڑا ہے یا ثابت کیا ہے۔ تو ہر ایک یہی جواب دیتا ہے اور یہی جواب دے سکتا ہے کہ نہیں، میری نئی دریافت نے قانونِ قدرت کو توڑا نہیں بلکہ ثابت کیا ہے کہ وہ اس دنیا میں بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ سنّت اللہ کے خلاف، اللہ تعالےٰ کی سنّتِ جاریہ یا قانونِ قدرت کے خلاف کوئی وقوعہ اس مخلوق دنیا میں نہیں ہوا۔ غرض اللہ تعالےٰ نے بڑی تفصیل اور بڑی وضاحت کے ساتھ قرآنِ کریم میں ہمیں یہ علم دیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے

اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کی صنعت میں بڑا ہی حُسن پایا جاتا ہے اور اس کی ہر مخلوق میں بڑا حسین صنعت کا کمال پایا جاتا ہے۔

اس ضمن میں جو غلط خیالات پیدا ہو چکے ہیں قرآنِ کریم نے ان کا رد بھی کیا ہے چونکہ اب ہمارا ماحول بدل چکا ہے، قادیان میں ہمارا ماحول اَور تھا اور پاکستان میں آکر ہمارا ماحول اَور ہو گیا ہے، اس لئے سوائے ان لوگوں کے جو علمِ دین کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہوں جن کو شاید علم ہی نہ ہو کہ ہندو لوگ یہ یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس دنیا کے مادے کو خدا تعالےٰ نے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ آپ ہی آپ ہے۔ اسی طرح اس نے رُوح کو بھی پیدا نہیں کیا۔ خدا تعالےٰ کا صرف یہ کام ہے کہ وہ مادہ کا مادہ سے تعلق قائم کرے یا رُوح کا مادہ کے ساتھ تعلق قائم کرے۔ یہ ان کا مذہبی اعتقاد ہے لیکن اللہ تعالےٰ ہمیں اس کے بر عکس اور مخالف یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر چیز جو اس عالم میں خلق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور دنیا میں جو چیز بھی موجود ہے وہ مخلوق ہے اور اس کا خالق اللہ ہے اور اس خلق میں کمالِ صنعت پایا جاتا ہے اور ہمیں اس میں عجیب دلکشی اور حُسن نظر آتا ہے۔ اس حُسن کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آسمان کے ستاروں کو اللہ تعالےٰ نے کس طرح اپنے قانون میں باندھا ہے ان میں ایک حرکت ہے جو متصل اور دائمی ہے اور پھر اس نے اُن کے حصّے بنائے ہیں۔ مثلاً سورج کا نظام ہے۔ سورج کے نظام سے تعلق رکھنے والے سیارے سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اور ان کے زاویوں میں جو حُسن ہمیں نظر آتا ہے اگر وہ سیارے آپ کے سامنے ایک کاغذ پر آجائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شاعروں نے جو بات اپنی محبوباؤں کی لچک اور ان کے زاویوں کے متعلق کی ہے اللہ تعالےٰ کی اس صنعت میں اس سے زیادہ خوبصورتی اور حُسن نظر آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک خاص قسم کے چکروں میں باندھ دیا ہے۔ پھر یہ تو وہ سیارے ہیں جن کا تعلق نظامِ شمسی سے ہے لیکن اس سورج کے علاوہ

اربوں ارب سورج عالمین میں پائے جاتے ہیں

اور سائنسدانوں نے معلوم کیا ہے کہ گلیکسی Galaxy جو کہ بہت سے ستاروں کے خاندانوں کا مجموعہ ہوتی ہے اس میں بھی ایک نظام پایا جاتا ہے۔ پھر یہ گلیکسیز Galaxies بے شمار ہیں اور یہ ساری کی ساری ایک جہت کی طرف اور ایک دوسرے سے پرے ہٹ رہی ہیں۔ اب تو سائنسدان قریباً اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں (میں قریباً اسلئے کہہ رہا ہوں کہ ابھی سائنسدانوں میں اختلاف ہے۔ بعض سائنسدانوں کی ایک رائے ہے اور بعض سائنسدانوں کی دوسری رائے ہے لیکن بہرحال ہم کہہ سکتے ہیں کہ قریباً ہر سائنسدان اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہے) کہ گلیکسیز Galaxies کی سیر اور چلنے کو دیکھا جائے تو پہلے وہ ایک دوسرے کے قریب تھیں لیکن اب دُور ہوتی جا رہی ہیں اور سائنسدان یہ کہتے ہیں کہ جب دو گلیکسیز کے درمیان اربوں ارب میل کا فاصلہ ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان اتنی جگہ ہو جاتی ہے کہ وہاں ایک اور گلیکسی زندہ رہ سکے تو اُس وقت اللہ تعالےٰ "کُن" کے ساتھ ایک اور گلیکسی وہاں پیدا کر دیتا ہے۔

غرض جس چیز کو بھی لو اس میں ہمیں کمالِ صنعت نظر آتا ہے۔ آپ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو لے لیں اور اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش کریں تو آپ کو وہاں بھی کمالِ صنعت نظر آئے گا۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی طرف سے یہ چیلنج دیا ہے اور قرآن کریم میں بھی یہ پایا جاتا ہے کہ تم مخلوقات میں سے کوئی ایک مخلوق لے لو، مثلاً ایک چھوٹی سی مخلوق چیونٹی کو لے لو بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تم چیونٹی کو بھی جانے دو، ہم اس سے بھی چھوٹی چیز لے لیتے ہیں، تم چیونٹی کا ایک پاؤں ہی لے لو، تم کبھی یہ دعویٰ نہیں کر سکو گے کہ چیونٹی کے اس چھوٹے سے پاؤں کے متعلق جو خشخاش کے دانہ سے بھی چھوٹا ہے، تمہارے علوم نے سارے حقائق کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر تم اس کے متعلق جتنا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرتے جاؤ گے تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ ابھی چیونٹی کے اس پاؤں کے متعلق اور بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، اور ہم نے صنعتِ باری کا ابھی احاطہ نہیں کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات غیر محدود ہے اور اس کی صفات میں سے ہر صفت اپنے جلووں کے لحاظ سے غیر محدود ہے۔ اور ایک غیر محدود ذات کی غیر محدود صفات کے جلووں کے نتیجہ میں جو چیز پیدا ہوتی ہے، یعنی مخلوقات میں کوئی ایک مخلوق لے لو" اس کے متعلق جو علوم ہیں وہ بھی غیر محدود ہوتے ہیں۔ وہ محدود نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر وہ محدود سمجھے جائیں تو صنعتِ باری جو غیر محدود ہے اس پر حرف آتا ہے۔

یہ ایک چیلنج ہے

جو اسلام نے سائنسدانوں کو دیا ہے۔ اور سائنسدان خصوصاً وہ سائنسدان جو بڑے پایہ کے سائنسدان اور بڑی عقل فراست اور علم رکھنے والے ہیں وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ گو کم علم والا انسان یہ سمجھتا ہے کہ پتہ نہیں وہ کہاں پہنچ گیا ہے وہ "فلک کے ستارے بھی نوچ لائے" والی ذہنیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے مگر جو پایہ کا سائنسدان ہے وہ کہتا ہے ہمیں اپنا جو مقام نظر آ رہا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے سمندر کے کنارے کوئی شخص کھڑا ہو اور اس سمندر کے چند قطرے وہ لے اور ان کے متعلق علم حاصل کرے۔ یعنی اب تک جو کچھ انسان نے حاصل کیا ہے اس کی مثال اس کے مقابلہ میں جو اس نے ابھی تک حاصل نہیں کیا۔ ایسی ہی ہے جیسا کہ سمندر کے چند قطرے لے کر انسان ان کا علم حاصل کرے۔ پس دوسرا علم جو تعلق باللہ کے حصول کے لئے ضروری ہے وہ وہ علم ہے جس کا تعلق اللہ تعالےٰ کے خالق ہونے اور اس کی صنعت کے کامل ہونے، اس کے کامل صانع ہونے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس علم کے متعلق بھی ہمیں قرآن کریم نے بہت کچھ سکھایا ہے۔

تیسرا علم

جو مستقل حیثیت سے اللہ تعالےٰ نے قرآنِ کریم میں رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔ یعنی اس نے زید کو پیدا کیا اور زید کی پیدائش سے پہلے ساری دنیا کو پیدا کیا اور پتہ نہیں اس نے اَور کیا کچھ کیا تا زید اس دنیا میں رہ سکے۔ اس کے بعد یہ نہیں کیا کہ اس نے زید کو پیدا کر کے چھوڑ دیا بلکہ ہر ایک جو دنیا میں داخل ہوتا ہے، ہر تبدیلی جو اس میں ہوتی ہے، ہر چیز جو فعل کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے اس کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو تھوڑی سی آزادی دی ہے۔ لیکن یہ آزادی بھی دنیا میں فاعلِ حقیقی کا فعل ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کا منشاء نہ ہوتا تو انسان کی کیا مجال تھی کہ وہ اس چھوٹے سے حلقہ میں آزادانہ گھومتا پھرتا اور پیدا کرنیوالے کا بھی انکار کر دیتا۔ خدا تعالےٰ کی دوسری مخلوقات درختوں پہاڑوں ستاروں وغیرہ کو اس بات کی جرأت نہیں کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو بھول جائیں اور اس کی ذات کا، اس کی خالقیت کا اور اس کے کمالِ صنعت کا انکار کر دیں لیکن انسان اپنی حماقت کی وجہ سے انکار کر لیتا ہے۔ غرض جو آزادی انسان کو حاصل ہے وہ بھی اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی ہے ورنہ اپنے زور سے انسان یہ آزادی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

غرض تیسرا علم جس کا تعلق باللہ سے تعلق ہے اور جس کا پتہ قرآن کریم سے لگتا ہے یہ ہے کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہر فعل کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

مثلاً مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ بعض درخت موسم خزاں میں پت جھڑ کرتے ہیں یعنی ان کے پتے گرتے ہیں اور بعض درختوں کے پتے موسم بہار میں گرتے ہیں تم کسی ایک درخت کو لے لو۔ مثلاً موسم بہار میں پت جھڑ کرنے والے کسی درخت کو لے لو یا موسم خزاں میں پت جھڑ کرنے والے کسی درخت کو لے لو، مثلاً انگریزی پیپل ہے وہ موسم بہار میں پت جھڑ کرتا ہے اور اس موسم میں وہ نئے پتے نکالتا ہے۔ اب صرف یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے صرف یہ قانون بنا دیا کہ اس قسم کا درخت موسم بہار میں اپنے سارے پتے جھاڑ دے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے نئی پوشش مل جائے گی۔ بلکہ اس درخت میں اگر ایک لاکھ پتہ ہے تو ہر پتہ جو اس درخت سے گرتا ہے اس کے لئے آسمان پر سے حکم نازل ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ پتہ گرے اُسی وقت وہ گرتا ہے اس سے پہلے نہیں گرتا۔ مَیں اس سلسلہ میں مشاہدہ کرتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے آنکھ دی ہے کہ وہ دنیا میں دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کیا کر رہا ہے۔ اگر آپ درختوں کا مطالعہ کریں تو ان میں آپ کو بعض پتے ایسے نظر آئیں گے جن میں زیادہ زندگی کے آثار ہوں گے، جو نسبتاً زیادہ جوان ہوں گے، کم عمر ہوں گے۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ پتے ہوں گے جو کمزور نظر آئیں گے، اور وہ بڑی عمر کے ہوں گے۔ پھر آپ دیکھیں کہ ان میں سے کون پہلے گرتا ہے اور اگر صرف اللہ تعالیٰ کا قانون ہی ہوتا اور اس کا اس میں دخل نہ ہوتا تو اس قانون کے مطابق بھورا پتہ جو کمزور تھا اُسے موسم بہار میں دوسرے پتوں سے پہلے گر جانا چاہیئے تھا۔ لیکن جو نظارہ ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ نہیں بلکہ وہ اس سے مختلف ہے۔

آج مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک پتہ پوری صحت میں ہے اس پر بڑا خوشنما سبزہ ہے، اور میرا یہ خیال ہے کہ شاید یہ پتہ آخر میں گرنے والے پتوں میں سے ہو گا لیکن اگلی صبح کو جب مَیں دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا حکم اس پتہ کے لئے آسمان سے نازل ہو چکا ہوتا ہے اور وہ پتہ اپنی ٹہنی کو چھوڑ کر زمین پر آگرا ہوتا ہے اور جس کے متعلق مجھے خیال تھا کہ وہ پہلے گر جائے گا یا وہ پہلے گرنے کے لئے تیار ہوتا ہے وہ ابھی ٹہنی پر موجود ہوتا ہے۔ غرض ہر فعل جو درختوں کا ہو یا انسانوں کا یا کسی اَور کا، اور ہر واقعہ جو انفرادی نوعیت اور حیثیت کا اس دنیا میں ہوتا ہے اس کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی اجازت، اس کے منشا یا اس کے حکم کے بغیر وہ فعل سرزد نہیں ہو سکتا، وہ واقعہ دنیا میں رونما نہیں ہو سکتا۔ یہ علم بھی قرآن کریم میں ایک مستقل حیثیت سے پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ علم ہمیں اس لئے سکھایا ہے تا ہم ہر قسم کے گناہوں سے بچ جائیں۔ خدا تعالیٰ کا ایک بندہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو، نہ جان بوجھ کر، نہ سہواً، نہ نسیاناً۔ شیطان باریک سے باریک راہوں سے بھی اس پر حملہ آور ہو تو وہ اس سے بچ جائے۔ اور ہر گناہ سے بچنا بھی ایک فعل ہے چاہے وہ منفی فعل ہی ہے اور اس کے لئے انسانی روح، دل اور دماغ کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ پھر ہر نوع کی نیکی بجا لانا بھی ایک فعل ہے اور چونکہ ہر فعل کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اس لئے اس کی توفیق کے بغیر ہمیں یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فاعلِ حقیقی کو ثابت کرنے کے بعد قرآنِ کریم ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ تم نہ تو برائیوں سے بچ سکتے ہو، نہ نیکیاں بجا لا سکتے ہو، نہ تمہارا قدم ثبات رکھنے والا ہو سکتا ہے اور نہ تم صدق و صفا اور وفا کا اظہار اپنے رب کی راہ میں کر سکتے ہو، جب تک کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق نہ ملے۔ کیونکہ ہر فعل کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دین اور دنیا کی کوئی صلاحیت خدا تعالیٰ کی دین کے بغیر انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے ہمیں ہر امر میں اس سے مدد اور نصرت مانگنی چاہیئے۔

چوتھا علم

جو قرآن کریم میں ایک مستقل علم کی حیثیت سے پایا جاتا ہے یہ ہے کہ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کرے۔ پہلا علم ذاتِ باری اور صفاتِ باری کے کامل ہونے سے تعلق رکھتا تھا جس کا نتیجہ ہم بندوں کے لئے، ہم انسانوں کے لئے یہ نکلتا تھا کہ خدا تعالیٰ جو اپنی ذات میں کامل اور اپنی صفات میں کامل ہے صرف اسی کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ یعنی استحقاقِ عبادت جو ہے وہ صرف اسی کا ہے۔ دنیا میں اور کوئی چیز نہیں جو اپنی ذات اور اپنی صفات کے لحاظ سے اس بات کی مستحق ہو کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اب چوتھا علم یہ ہے کہ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کرے۔ انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوقات بھی خدا تعالیٰ کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے ہر وقت اس کی عبادت میں مشغول ہے اور ہر وقت اس کی حمد کر رہی ہے چاہے ہم اُسے سمجھیں اور چاہے ہم اُسے نہ سمجھیں لیکن بہرحال وہ خدا تعالیٰ کے اس استحقاق کو تسلیم کرتی ہے۔ چونکہ وہ کامل ہے اپنی ذات میں اور وہ کامل ہے اپنی صفات میں اس لئے وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ غرض انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ صرف اپنے رب کی عبادت کرے۔ یہ علم انسان کا ایک بنیادی فرض ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ہمیں متوجہ کرتا ہے اور اسے توحید فی العبادت کا علم کہا جا سکتا ہے۔

انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور چیز کی جو حقیقتاً ہمارے علم میں اسکی مخلوق ہے عبادت کرے بلکہ اس کا یہ فرض ہے اور اس کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ صرف اپنے رب کی عبادت کر رہا ہو۔ غرض توحید فی العبادت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ انسان پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے رب کی عبادت کر رہا ہو۔ اس علم کو ایک مستقل حیثیت قرآنِ کریم نے دی ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں بڑی تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ اگر انسان کو

توحید فی العبادت کا علم

حاصل ہو جائے اور اس کا ذہن، اس کا دماغ، اس کے جذبات اور اس کی عقل اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ مَیں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اَور کسی چیز کی عبادت نہیں کرنی تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کر لے گا۔ اگر اسے کوئی روحانی بیماری لاحق ہے تو وہ اس سے نجات حاصل کر لے گا اور اگر کوئی بیماری ابھی پیدا نہیں ہوئی تو وہ اس سے محفوظ رہے گا کیونکہ انسان کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق ہے کہ اُسے شیطان کسی وقت بیماری لاحق کر دے، اس کے اندر کوئی بیماری پیدا کر دے۔ اور یہ علم اس بیماری سے حفاظت کرنے کا کام دیتا ہے یعنی بیماری پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح تمام ردّی اخلاق غیر اللہ کی پرستش کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی پرستش نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انسان کو توحید فی العبادت کا علم حاصل ہو جائے تو وہ تمام قسم کے ردّی اخلاق سے محفوظ رہتا ہے۔

ہر چند کہ اگر قرآنِ کریم کو اس نقطۂ نگاہ سے پڑھا جائے اور دیکھا جائے اور علم حاصل کیا جائے تو اس میں یہ علم تفصیل سے موجود ہے لیکن مَیں بطور مثال ایک آیت بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

ما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون

یعنی انسان کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ پس اگر توحید فی العبادت کا علم حاصل ہو جائے تو انسان ردّی اخلاق سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ ردّی اخلاق پیدا ہی اس وقت ہوتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رب کو پوری طرح پہچانتا نہیں اور غیر اللہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مثلاً وہ پیسہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اتنا مائل ہو جاتا ہے جتنا اُسے

اپنے ربّ کی طرف مائل ہونا چاہیئے

پیسے کے حصول کے لئے بعض لوگ چوری کرتے ہیں۔ بعض لوگ ڈاکہ مارتے ہیں۔ بعض لوگ قتل کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی پیسے کے حصول کے لئے وہ قتل کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ مقتول کی جیب سے پیسے حاصل کرتے ہیں بلکہ اس کے مرنے کے نتیجہ میں انہیں دنیا کا مال ملتا ہے۔ مثلاً مقتول کے مر جانے کے نتیجہ میں ورثہ ان کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ زمینداروں میں اس قسم کے قتل کثرت سے پائے جاتے ہیں وہ ایک شخص کو قتل کر دیتے ہیں گو وہ اس کی جیب میں سے کچھ نہیں نکالتے لیکن اس کے مرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ان کو پیسے مل جاتے ہیں۔ پھر لوگ رشوتیں دیتے ہیں۔ دوسرے

کے حقوق سلب کرتے ہیں۔ غرض اس قسم کے سارے ردّی اخلاق صرف اس وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ انسان کو جتنی محبت اپنے رب سے کرنی چاہیئے اتنی محبت اس نے مال سے کرنی شروع کر دی اس نے مال کو ایک بُت بنا دیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ غرض یہ تمام اور اسی قسم کے دوسرے ردّی اخلاق نتیجہ ہیں اس بات کا کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی عبادت کیلئے خالص نہیں کیا۔ اور توحید فی العبادت کا مقام اس نے حاصل نہیں کیا۔ اگر اُسے توحید فی العبادت کا مقام حاصل ہو جائے تو دنیا سے ہر قسم کے ردّی اخلاق دور ہو جائیں اور انسان کو ہر قسم کی بیماریوں سے شفا ہو جائے۔ غرض توحید فی العبادت کے نتیجہ میں انسان کلی طور پر غیر اللہ کی عبادت سے پاک ہو جاتا ہے اس لئے اس علم کا جاننا ضروری ہے اور یہ علم ہمیں بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

یہ چار علوم جن کا میں نے ذکر کیا ہے زیادہ تر خدا تعالیٰ اور اس کی ذات سے تعلق رکھنے والے تھے۔ گو ان میں سے بعض مسائل انسان سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اب بعض علوم ایسے ہیں کہ ان کا تعلق براہ راست انسان سے ہے گو منبع ہر شے کا اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ غرض

پانچواں علم وہ ہے

جو اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن کریم ہمیں یہ بتاتا ہے۔ کہ ہمارا اللہ اور ہمارا رب اپنی رحمت کے جوش میں یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی مخلوق اپنی پیدائش، اپنی ترقی، اپنے قیام اور حیات کے لئے کوئی کوشش یا محنت کرتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کا کوئی حق بنتا ہے، یا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی ایک عام رحمت ہے جس کے نتیجہ میں وہ فضل کرتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے نزدیک وہ شخص جس کو ابوجہل کہتے ہیں اس سے زیادہ بدبخت تو اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ نے اُسے رزق میں تنگی نہیں دی۔ گو یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جگانے کے لئے عذاب دبائیں اور ابتلاء اس دنیا میں نازل کرتا ہے، انسان کے لئے بعض مشکلات بھی پیدا کرتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا قاعدہ یہی ہے کہ

رحمتی وسعت کل شیء

اس کی رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے اور وہ اپنی عام رحمت کے سلسلہ میں کسی کافر اور مومن کو نہیں دیکھتا۔ لیکن ویسے جب کوئی شخص ظلم اور سرکشی میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ اسے کسی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ اسے اس دنیا میں بھی سزا دے دیتا ہے مثلاً جب ابوجہل اپنی سرکشی میں، اپنے ظلم میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچانے میں حد سے تجاوز کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ کے ہاتھ سے اس کی گردن کٹوا دی۔ لیکن اس کے قتل ہونے تک اس نے اس کی روزی بند نہیں کی بلکہ وہ اسی طرح اس کو رزق دیتا رہا جس طرح وہ اپنے مومن بندوں کو دیا کرتا ہے۔ اُس کا مکان بھی تباہ نہ کیا۔ بلکہ وہ پہلے کی طرح قائم رہا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے فرشتوں نے طائف کے متعلق کہا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ جس طرح خدا تعالیٰ کی رحمت عام ہے اسی طرح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھی عام تھی

آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ کی اس خُو اور اس فطرت نے نہ چاہا کہ کوئی ایسی خواہش کریں جو آپ کے رب کی عام سنت کے خلاف ہو۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا یا آپ کی خواہش ہوتی تو اللہ تعالیٰ میں یہ طاقت تھی کہ وہ آپ کے مخالفوں کو ایک سیکنڈ میں تباہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ میں یہ طاقت تھی کہ رات کو ابوجہل کا مکان گرتا اور اس کا سارا خاندان اس کے نیچے آ کر تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے نہ چاہا جو چاہا اور جس رنگ میں اس نے اسے ذلت کی موت دینی چاہی دے دی۔ مگر عمر بھر اس کی سرکشیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے اُس نے اُسے اپنی عام رحمت

اور فیضان عام سے محروم نہیں کیا۔ غرض اللہ تعالیٰ کی یہ ایک صفت ہے کہ اس کی رحمت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وسعت کل شیء

ہے۔ اور یہ صفت قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم نے اسے ایک مستقل علم کی حیثیت دے دی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ہر وقت جوش میں آتی ہے۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی اس کی بقاء کے لئے اس کی ترقی کے لئے اس کی نشو و نما کے لئے اور اس کی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سامان پیدا کر دئے، قطع نظر اس کے کہ جن کے لئے خدا تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی ان کا کوئی حق بھی تھا یا نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بلا استحقاق دینے والا ہے۔ اور یہ علم خدا تعالیٰ نے ہمیں اس لئے دیا ہے کہ ہمارے دلوں میں اپنے رب کا شکریہ پیدا ہو۔ ہم میں سے ہر شخص یہ سوچے کہ مذہبی فرائض جو اس پر عائد ہوتے ہیں ان کی ادائیگی بھی خدا تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اسلام مذہبی لحاظ سے بہت باریکیوں میں جاتا ہے مثلاً بلوغت کو ہی لے لو۔ اسلام نے اس کی مختلف شکلیں دکھا دی ہیں۔ نماز کے فرض کے لئے بلوغت دس سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور روزہ کے فرض کے لئے بلوغت اس وقت سے شروع ہوتی ہے جس وقت انسان کا جسم اپنی نشو و نما میں کمال تک پہنچ جائے۔ اس سے پہلے وہ روزہ کے فرض کے لحاظ سے بالغ نہیں ہوگا گویا

قرآن کریم نے ہمیں ایک نہایت حسین حکم دیا ہے

کہ اس وقت تک فرض روزے نہ رکھنا جب تک تم اپنی نشو و نما میں کمال تک نہیں پہنچ جاتے یا اپنی بلوغت کے قریب پہنچے ہوئے اس رنگ میں روزے نہ رکھنا کہ تمہاری جسمانی نشو و نما پر اس کا اثر ہو۔ پھر اسلام نے روزے کی بلوغت کی حد مقرر نہیں کی اور اس میں یہ حکمت تھی کہ جسمانی نشو و نما کی بلوغت ملک ملک کے لحاظ سے مختلف ہے۔ جس عمر میں انگلستان کا ایک باشندہ بلوغت کو پہنچتا ہے اس سے پہلے پاکستان کا ایک نوجوان اپنی جسمانی بلوغت کو پہنچ جاتا ہے اور اس سے بھی پہلے عرب میں بسنے والا ایک نوجوان اپنی بلوغت کو پہنچ جاتا ہے۔ گو ابھی مکمل تحقیق تو نہیں ہوئی اور ابھی معلوم نہیں کہ کیا کیا نئے علوم ہمارے سامنے آئیں۔ لیکن سائنس نے ۲۰-۳۰ سالہ تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اکیس سال کی عمر تک انسان کا جسم بچہ ہوتا ہے سائنس دانوں نے یہ فارمولہ بنایا ہے کہ ۲۱ سال کی عمر تک بچے کو اس نشو و نما کے زمانہ میں جو چیز جس وقت اور جتنی مقدار میں کھانے کی خواہش پیدا ہو ملنی چاہیئے ورنہ اس کی نشو و نما صحیح نہیں ہو سکتی۔ اگر قرآن کریم میں روزہ کے فرض کے لئے بلوغت بھی دس سال مقرر کر دی جاتی تو معترض اعتراض کرتا کہ قرآن کریم نے ملک ملک کی بلوغت میں جو فرق تھا اس کا خیال نہیں رکھا تم کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اُسے اس فرق کا بھی علم ہے۔ پھر اس نے اس فرق کو کیوں نظر انداز کر دیا اسلام نے روزوں کے لئے صرف بلوغت کی شرط لگائی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے متعلق تفصیلی احکام بیان کئے ہیں اور یہ مجموعی تعلیم ایسی ہے کہ اس پر کوئی مخالف اعتراض نہیں کر سکتا۔ سائنس دان جتنی چاہیں تحقیق کر لیں نئی دریافتیں کر لیں علوم میں نئے نئے اضافے کرتے چلے جائیں وہ جو مرضی ہو کریں، وہ حقائق کے میدان میں کسی نتیجہ پر بھی پہنچیں قرآن کریم اور

اسلام کی تعلیم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا

بلکہ اسلام کی تعلیم کی خوبی اور اس کی حقانیت ثابت ہو گی۔ مثلاً یہی روزے کا مسئلہ ہے قرآن کریم نے کہا تھا کہ نماز کی بلوغت کے ساتھ روزوں کی فرضیت عائد نہیں ہوتی۔ یہ نہیں کہ دس سال کا بچہ ہوا اور تم سوٹیاں مار مار کر اس کو روزے رکھوانا شروع کر دو کیونکہ روزے کی بلوغت اور ہے جب کوئی نوجوان اس عمر کو پہنچ جائے کہ وہ روزے کی سختی کو برداشت کرلے اور اس کا اس کے جسم کی نشو و نما پر کوئی

موجودہ دور کے تقاضوں سے آگاہ رہنے کیلئے انصار اللہ کا باقاعدگی سے مطالعہ کیجئے
قائد اشاعت
مجلس انصار اللہ مرکزیہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بُرا اثر نہ پڑے تو اس وقت وہ رمضان کے پورے روزے رکھے۔ اس سے پہلے رمضان کے پورے روزے اس پر فرض نہیں۔ گو بلوغت کو پہنچنے سے پہلے وقفہ وقفہ سے روزے رکھے جا سکتے ہیں، مثلاً ایک پھر دو پھر تین پھر چار پھر پانچ۔ اس سے بچہ کی نشوونما پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ شاید وہ اس کی نشوونما کے لئے ممد ہوتے ہیں۔ رمضان کے متعلق ہر سمجھدار کو یہ تجربہ ہوگا کہ رمضان کے پہلے روزوں کے دوران انسان اپنے اندر زیادہ طاقت محسوس کرتا ہے۔ وہ کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتا۔ لیکن جب رمضان کے چند دن گزر جاتے ہیں۔ تو رمضان کا مجموعی اثر انسانی جسم پر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ایک عام رحمت ہے۔ جو ہر مخلوق کے لئے جوش میں آتی ہے انسانوں کے لئے بھی اور غیر انسانوں کے لئے بھی۔ اور ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر یہ رحمت نہ ہوتی تو تم نیکی کے کام کبھی نہ کر سکتے۔ کیونکہ کوئی شخص یہ دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ میرا خدا پر کوئی حق ہے اور اس حق کی وجہ سے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھے ۱۲ سال تک صحت والا رکھے اور مجھے کسی بیماری میں مبتلا نہ ہونے دے لیکن عام حالات میں وہ بغیر استحقاق انسان کو یہ نعمتیں دیتا ہے، وہ انسان کو صحت دیتا ہے، سمجھ دیتا ہے، ماحول مناسب دیتا ہے، تب انسان روزے رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عام رحمت نہ ہوتی تو وہ روزے نہ رکھ سکتا گویا یہ عام رحمت اس بات کی بنیاد بنی ہے کہ انسان نیکی بجالانے کی توفیق حاصل کرے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ بنیاد رکھدی تو انسان کو آزادی دی کہ وہ نیکی کرے یا بدی کا ارتکاب کرے۔ اگر وہ نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے ہم تمہیں آسمان کی رفعتوں پر لے جاتے ہیں۔ آسمان کے دروازے تمہارے لئے کھولد یتے ہیں۔ اور ہمارے لئے صرف پہلے آسمان کے ہی دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ بلکہ مسلمانوں کے لئے اگر وہ حقیقی مسلمان ہیں اور ان کا علم، ان کی سوچ، ان کا فکر، ان کا تخیل اور ان کا عمل مسلمانوں والا ہے تو ان کے لئے

ساتویں آسمان کے دروازے

کھولے جاتے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان بھی انبیائے بنی اسرائیل سے آگے نکل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کئے ہیں کہ وہ انبیائے بنی اسرائیل سے آگے نکل جائے۔ اس کے باوجود ان لوگوں کی بڑی بدقسمتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے آسمان کا دروازہ بھی مسلمانوں کے لئے نہیں کھولا جاتا یعنی مکالمہ اور مخاطبہ کا دروازہ بھی ان کے اوپر بند ہے۔ اللہ تعالیٰ قسمت کے دروازے ان پر کھولے۔

غرض اگر خدا تعالیٰ کی رحمت عامہ نہ ہوتی تو دعا اور تدبیر کا وجود بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ دعا کے قابل ہونے سے پہلے اور تدبیر کرنے سے پہلے ہمیں بہت کچھ چاہیئے۔ اور یہ کہ ہمیں بہت کچھ چاہیئے۔ اس کے لئے ہمارا کوئی استحقاق نہیں۔ ہم نے کوئی نیکی نہیں کی۔ ہم نے کوئی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ پہلی نیکی کرنے سے پہلے بھی ہمیں بہت کچھ چاہیئے۔ اور یہ تو حقیقت ہے کہ ہم نے پہلی نیکی سے پہلے کوئی نیکی نہیں کی۔ پس اللہ تعالیٰ کی عام رحمت ہے جو انسان پر فضل الٰہی کی شکل میں نازل ہوتی ہے اس کے بعد انسان مجاہدہ اور دعا کی توفیق پاتا ہے۔ اور جب دعا اور تدبیر کی توفیق پاتا ہے تو

ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہے

کہ جب تم ہمارے بتائے ہوئے طریق کے مطابق تدبیر کروگے اور ان تدابیر کے بارآور ہونے کے لئے دعائیں کروگے تو ہم تم پر اپنا مزید فضل نازل کریں گے ہم تمہیں مزید فضلوں سے نوازیں گے۔ یہ علم بھی قرآن کریم میں ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محنت اور کوشش پر نتائج مترتب کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا۔

لیس للانسان الا ما سعی

اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو تدبیر کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہارے کسی استحقاق کے بغیر تم پر فضل کر کے تمہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ تم مجاہدہ کرو، سعی کرو۔ اگر تم مجاہدہ کوشش اور تدبیر نہیں کروگے تو تم آگے ترقی نہیں کر سکو گے۔ لیس للانسان الا ما سعی

میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ عام رحمت یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی عام رحمت ہمارے ہر فعل کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیوض کی لہریں پہلو بہ پہلو اور متوازی چل رہی ہوتی ہیں

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

امن یجیب المضطر اذا دعاہ وہ کون ہے جو اضطرار کی حالت میں انسان کی دعائیں سنتا ہے۔ ایک انسان لاچار ہوتا ہے۔ ہر راستہ اس پر بند ہو جاتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کون ہے جو تمہاری دعاؤں کو ان حالات میں سنتا ہے اور تمہاری مشکلات کو دور کرتا ہے۔ ان حالات میں جو ذات تمہاری مدد کو آتی ہے اور تمہاری دعاؤں کو سنتی ہے، وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ غرض یہ بھی ایک بڑا وسیع علم ہے، جو علم کے قواعد میں بندھا ہوا قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔

پہلے علوم جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ان کے نتیجہ میں ہمارے دلوں میں اس بات کی ایک حقیقی تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ ہم جلد سے جلد اپنے رب کا قرب حاصل کریں۔ ہمیں اس کا وصل میسر آ جائے۔ اس مقصد کو کم سے کم وقت میں اور جلد سے جلد حاصل کرنے کے لئے صراط مستقیم کی ضرورت ہے۔ کیونکہ

صراط مستقیم ہی وہ راستہ ہے

جو جلد سے جلد کم سے کم وقت میں اور کم سے کم کوشش کے نتیجہ میں منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ غرض قرآن کریم میں علم صراط مستقیم ایک مستقل حیثیت رکھنے والا علم ہے۔ اور تمام اوامر اور نواہی جو قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں وہ صراط مستقیم سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں سینکڑوں ایسے حکم ہیں جن میں انسان کو یہ کہا گیا ہے کہ تم یہ کرو۔ اور سینکڑوں ایسے حکم ہیں جن میں انسان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ تم ایسا نہ کرو۔ اور یہ تمام احکام یعنی اوامر و نواہی صراط مستقیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے صحرا میں سڑکوں کے نشان ہوتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے صحرا اب بھی ایسے پائے جاتے ہیں جہاں کوئی پختہ سڑک نہیں۔ وہاں کوئی مستقل قسم کی سڑک قائم ہی نہیں رہ سکتی آندھیاں چلتی ہیں اور ریت کو اٹھا کر ادھر سے ادھر لے جاتی ہیں وہاں ایسے نشان مقرر کئے گئے ہیں جو مسافروں کو رستہ تلاش کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یعنی دو طرفہ ایسے ستون بنائے گئے ہیں اور نشان لگائے گئے ہیں۔ جن کے اندر رستہ ہوتا ہے۔ اور ان کے اِس طرف بھی خطرہ ہوتا ہے اور اُس طرف بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اس طرح اوامر اور نواہی بھی اسی قسم کے نشانات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستہ کے دونوں طرف لگائے ہیں اور ان نشانوں کا علم بڑی تفصیل سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں دیا ہے۔

پس تمام اوامر اور نواہی صراط مستقیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ہم صراط مستقیم کو چھوڑ کر کسی اور جہت کی طرف بھٹک جائیں تو ہم خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔

صراط مستقیم کا تعلق

انسان کی دو زندگیوں یعنی اس دنیا کی زندگی اور اخروی زندگی سے ہے۔ دنیا میں انسان کے نیک اور مناسب حال اعمال کے جو نتائج نکلتے ہیں اگرچہ وہ بھی جنت کو پیدا کرنے والے ہیں لیکن دنیا کی جنت بہت سے کانٹوں میں گھری ہوئی ہے اور بعض لوگوں کو جن کی نگاہیں دور بین نہیں ہوتیں وہ نظر بھی نہیں آتی۔ اسلئے ہمیں سمجھانا پڑتا ہے کہ

ولمن خاف مقام ربہ جنتان

میں جن دو جنتوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک جنت کا تعلق ہماری اس زندگی کے ساتھ ہے اور اصل جنت جو بغیر کسی اشتباہ کے ہمارے سامنے آئیگی اس کا تعلق اخروی زندگی کے ساتھ ہے۔ جو ہمیں مرنے کے بعد ملے گی۔ پھر جس طرح دو جنتیں ہیں دو جہنم بھی ہیں ایک جہنم دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی اس دنیا میں انسان اگر صراط مستقیم سے بھٹک جاتے تو اسکے نتیجہ میں پھر انسان کی اپنی حماقت کی وجہ سے برائیوں کا راستہ اختیار کرنے نتیجہ میں اور اللہ تعالیٰ کا عرفان نہ حاصل کرنے کے نتیجہ میں ایک جہنم انسان اپنے لئے اس دنیا میں بھی پیدا کرتا ہے لیکن اسکے لئے انسانی عقل بہت سے بہانے تلاش کر لیتی ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

وہ کہتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں بلکہ ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے اور اگر انسان یہ سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی ہوتا ہے اور اگر وہ ذرا سی بھی غور و فکر سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ عام واقعات نہیں بلکہ یہ واقعات اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکل میں ہو رہے ہیں۔ پس چونکہ اہل جنت اور اہل جہنم انسان کو مرنے کے بعد ملتے ہیں وہ مرنے کے بعد حساب کا ایک وقت مقرر ہے اور ایک شکل میں انسان سے حساب لیا جائے گا۔ ایک مقرر ہے جب ہر قوم اور ہر فرد کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہو گا۔ اور اس سے حساب لیا جائے گا) اس لئے اس اخروی زندگی کا جس کی ابتداء یوم حساب سے ہے ہمیں تفصیل سے علم ہونا چاہیئے اور اس حد تک علم ہونا چاہیئے کہ اس دنیا میں بھی ہماری عقل اُسے سمجھ لے، اُسے جان لے۔ ہاں

بعض باتیں ایسی ہیں

جو ہم اِس دنیا میں جان ہی نہیں سکتے۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُس دنیا کی نعمتیں تمہاری اِس دنیا کی عقل میں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بہت سی دنیوی نعمتوں کی شکل میں کرتا ہے۔ کبھی وہ باغات کا ذکر کرتا ہے کبھی نہروں کا ذکر کرتا ہے۔ اور کبھی پھلوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہی چیزیں اخروی زندگی میں ملیں گی۔ بلکہ اس کا ان سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ جس طرح اس دنیا کی لذتوں کے حصول کے لئے تمہارے نزدیک ان چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسیطرح اخروی زندگی کی لذتوں کے حصول کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ وہ اس جنت میں موجود ہوں گی۔ لیکن وہ کیا ہوں گی یہ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اگر آج سے ہزاروں سال پہلے کوئی فرشتہ آسمان سے آتا اور وہ اس وقت کے بڑے سے بڑے سائنس دان کو سمجھاتا کہ ایک وقت آئے گا کہ ایک راکٹ بنے گا اور وہ چاند تک جائے گا تو وہ سمجھتا یہ فرشتہ (نعوذ باللہ) پاگل ہو گیا ہے۔ اور آسمان چھوڑ کر زمین پر آگیا ہے۔ یہ بات اس کی عقل میں ہی نہیں آ سکتی تھی۔ کیونکہ اس وقت اس کی عقل ابھی یہ بات سمجھنے کے قابل ہی نہیں تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ استعارات میں مجازات میں اشاروں میں اور تمثیلوں میں اُس زندگی کے واقعات قرآن کریم میں بیان کرتا ہے۔ پس یہ علم ایک مستقل علم کی حیثیت سے قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ اور ہم اسے علم معاد بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس علم کے نتیجہ میں انسان کے

اپنے رب کے ساتھ دو تعلق

پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ خوف اور طمع ہیں۔ یہ دونوں تعلق اپنی انتہا کو پہنچتے ہیں اور انسان کا اپنے رب کے ساتھ ایک پختہ تعلق ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اس دن جو کچھ تمہیں ملے گا۔ یا جو کچھ تم سے چھینا جائے گا۔ یعنی تمہیں جنت ملے گی۔ یا جہنم ملے گا۔ اس کا فیصلہ خدا تعالیٰ اپنی صفت مالکیت کی حیثیت سے کرے گا۔ اور ایک مالک پر کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر میں کسی مستحق کو پانچ سو روپیہ دے دوں تو کسی کا حق نہیں کہ وہ مجھے کہے تم نے اسے پانچ سو روپیہ کیوں دے دیا جبکہ آپ اسے دس روپے دے دیتے تب بھی وہ خوش ہو جاتا۔ اگر کوئی مجھ سے یہ کہے تو میرا جائز حق ہو گا۔ کہ میں اُسے جواب دوں تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ کہنے والے۔ میری چیز تھی۔ میں نے دے دی۔ وہ لینے پر راضی تھا۔ اور میں دینے پر راضی تھا تم میرے کون ہوتے ہو اس میں دخل دینے والے۔ پس اگر کوئی مالک کسی کو غیر محدود بھی دے دے تو وہ اپنی طاقت اپنی ہمت اور اپنی استعداد کے مطابق دیتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طاقت کی تو کوئی حد بندی نہیں۔ اس کی استطاعت کی کوئی حد نہیں۔ ساری طاقتیں اُسے حاصل ہیں۔ سارے خزانے اسی کے ہیں۔ وہ جتنا چاہے اپنے خزانوں میں سے کسی کو دیدے۔ اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ اسیطرح بھرے رہتے ہیں۔ وہ جب دینے پر آتا ہے تو اتنا دیتا ہے جس کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔ اس دنیا کے متعلق بھی وہ فرماتا ہے۔

یرزق من یشاء بغیر حساب

وہ جسے چاہے بغیر کسی حساب کے رزق دیتا ہے لیکن اُس دنیا کے متعلق

خدا تعالیٰ کی صفتِ رزاقیت کا جلوہ

واضح اور حقیقی طور پر ہمیں نظر آئے گا۔ عمل کرنے والا انسان یہ سمجھے گا کہ مجھے اگر یہ نعمتیں مل جائیں تو میں بڑا خوش قسمت ہوں گا اور میدان حشر میں جب خدا تعالیٰ فیصلہ کر رہا ہو گا تو وہ سو نہیں، سو ارب بھی نہیں بلکہ سو ارب ارب نعمتیں اس کو دے دے گا بندہ اپنی جگہ حیران ہو گا کہ میرے رب نے مجھ سے کتنے پیار کا سلوک کیا ہے۔ اور اب تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا کیونکہ وہ مالک ہے وہ جو چاہے اپنی مخلوق کے ساتھ سلوک کرے۔ اسیطرح اس نے ہماری طمع کو بڑھا دیا ہے اور ہمارے دل میں یہ شوق پیدا کر دیا ہے کہ ہمیں اپنے رب کو راضی کرنا چاہیئے۔ اور اس کے نتیجہ میں ہمیں جو کچھ ملتا ہے وہ ہماری کوششوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا ہماری کوشش انتہائی ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی انسان کی جو طبعی عمر ہے اس کے ہر لحظ میں بھی انسان اپنے رب کی خاطر دُکھ اٹھاتا رہے۔ تب بھی اس کی قربانی ان انعامات کے مقابلہ میں، ہیچ ہے۔ جو مالک خدا مالک ہونے کی حیثیت سے اپنے بندے کو دے گا انسان مثلاً یہ کہے گا میں نے اپنی زندگی کے ہر سیکنڈ میں اپنے خدا کے لئے دُکھ اٹھایا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے میری زندگی کے ہر سیکنڈ کے مقابلہ میں ایک نعمت دے گا اور سمجھتا ہے کہ میری یہ امید پوری ہو جائے تو میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں گا۔ لیکن حساب والے دن اس کا رب یہ کہے گا کہ اے میرے بندے تم نے اپنی زندگی کے ہر سیکنڈ میں میری خاطر دکھ اٹھایا ہے اب میں تمہاری زندگی کے ہر سیکنڈ کے مقابلہ میں ایک ارب نعمتیں تمہیں دیتا ہوں۔ لیکن ان اعداد و شمار میں جو نسبت ہے وہ تھوڑی ہے کیونکہ جنت کی نعمتیں غیر محدود ہیں۔ اور تعداد میں جو نسبت بھی آپ قائم کریں گے۔ وہ محدود ہوگی۔ اور محدود کی غیر محدود سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ غرض قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل سے ہمیں یہ علم دیتا ہے کہ میرا تمہارے ساتھ معاملہ ایک منصف جج اور عادل کا سا نہیں۔ بلکہ میرا تمہارے ساتھ معاملہ مالک کی حیثیت سے ہے۔ جب میں رحم پر آتا ہوں تو غیر محدود رحمتیں نازل کرتا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمہیں ڈرتے بھی رہنا چاہیئے کہ مالک کی حیثیت سے جب میں گرفت کرتا ہوں تو وہ بھی بڑی شدید ہوتی ہے۔ ان بطش ربک لشدید تم میری گرفت کو بھی اپنے وہم میں نہیں لا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر ہمارے دلوں میں ایک طرف طمع پیدا کی ہے تو دوسری طرف اس نے ہمارے دلوں میں خوف بھی پیدا کیا ہے تاکہ ہم صراط مستقیم سے نہ بائیں طرف ہٹیں اور نہ دائیں طرف ہٹیں بلکہ اپنے رب کی طرف جانے والا سیدھا راستہ اختیار کریں۔ یہ علم بھی ایک مستقل حیثیت سے قرآن کریم میں موجود ہے۔

زوال علم

حقیقی تعلق باللہ کے لئے ضروری ہے وہ ان بزرگوں اور برگزیدہ لوگوں کی سوانح ہیں جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ قرآن کریم نے گزشتہ انبیاء کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پھر ان انعامات کا بھی ذکر کیا ہے جو اُس نے ان پر کئے پھر اس گرفت کا بھی ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے جو ان کے مخالفوں پر اس نے کی۔ اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ پہلے ہم ایک ہلکا عذاب جو ہشیار کرنے والا ہے دیتے ہیں۔ اس میں بھی ہماری رحمت جوش میں آ رہی ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ساری کی ساری قوم ہلاک ہو جائے اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے ایک حصہ تباہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اکثریت بیدار ہو جائے۔ لیکن اگر پھر بھی اکثریت بیدار نہ ہو تو ہم ایک اور ہلکا عذاب جو بیدار کرنے والا ہوتا ہے نازل کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ بیدار نہیں ہوتے تو ایک اور ہلکا عذاب نازل کرتے ہیں۔ اور جب دنیا بھی یہ سمجھ لیتی ہے اور ہم بھی جان لیتے ہیں کہ اب ان کو ہلاک نہ کرنے کے نتیجہ میں ہمارا بزرگ نبی ایسا دُکھ اٹھائے گا جو اسے نہیں اٹھانا چاہیئے تو اُس وقت ہم اس کے سب مخالفوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اسیطرح قرآن کریم نے سارے انبیاء کا ذکر، ان کے مجاہدوں کا ذکر، ان کی قربانیوں کا ذکر، ان انعامات کا ذکر جو اُس نے

تریاق اٹھرا اٹھرا کے علاج کیلئے مکمل کورس پندرہ روپے ۱۵ نورنظر اولاد نرینہ کیلئے کورس ۲۵ روپے خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ ربوہ

اُن پر کئے گیا ہے۔ پھر اُس نے ان سارے لوگوں کی زندگی کے حالات اور ان کے طریق بتائے ہیں تاکہ ہمارے دل مطمئن ہوں۔ قرآن کریم نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا ذکر کیا ہے اور ان کی ذیل میں اصولی طور پر ان سب بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک گزرے ہیں اور بتایا ہے جو لوگ میری راہ میں اس قسم کی قربانیاں دیں گے میں ان کے ساتھ یہ یہ سلوک کروں گا۔ لیکن اصل حالات جو قرآن کریم کا شان نزول ہیں وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء کے ہی ہیں۔ بہرحال قرآن کریم اس علم کو بھی ایک مستقل حیثیت سے لیتا ہے اور اُسے بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ وضاحت کرتا ہے کہ اُمت محمدیہ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں انہوں نے اور ان کی امتوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں کیا کچھ کیا۔ اور ان کی قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح نوازا تاہمارے دل مضبوط ہوں کہ جب قربانیاں دینے کے بعد پہلی امتوں پر خدا تعالیٰ کی نعمتیں نازل ہوئیں تو اب بھی اگر ہم اس کی راہ میں تکلیف برداشت کریں گے، ایثار کا نمونہ دکھائیں گے، ثباتِ قدم کا اظہار کریں گے، اس کی راہ میں صدق وصفا ہمارا شیوہ ہوگا، تو وہ ذات جس نے ہم سے پہلوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے ہمیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس سارے تفصیل کو انسان جب اپنے ذہن میں لاتا ہے تو اس کی دلجمعی ہوتی ہے۔ اُسے اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ بشاشت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کرتا اور ایثار کا نمونہ دکھاتا ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دسواں علم

جو قرآن کریم میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے وہ ان لوگوں کی سوانح ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کا انکار کیا اور اس طرح اس کی لعنت کا مورد بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیا میں بھی پکڑا اور ایسا پکڑا جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے حالات کو سن کر آج بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو اس قابل بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ جو رحمت مجسم ہے وہ بھی انہیں پکڑنے اور گرفت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے وہ بے نیاز ہے بے احتیاج ہے اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کے کچھ اور بندے ہیں۔ جن کی خاطر اُس نے ان لوگوں پر گرفت کی۔ کیونکہ وہ اس کے محبوب ہیں۔ اور اس نے چاہا کہ وہ دُکھوں سے بچائے جائیں اور ان کی تکالیف دور کی جائیں۔ غرض یہ علم بھی جو مغضوب علیہم اور ضالین کے متعلق ہے۔ قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ہم تعلیم القرآن کلاس کے افتتاح کے لئے آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ کو قرآن کریم کے آخری دس سپارے پڑھائے جائیں گے اور اس کے ساتھ بعض ذیلی علوم بھی پڑھائے جائیں گے دس سپاروں کی تفصیلی تفسیر تو ایک ماہ میں نہیں پڑھائی جاسکتی۔ بہرحال دس سپارے جو آپ پڑھیں گے ان میں فکر اور تدبر کرنے کے لئے میں نے آپ کو بعض باتیں بتائی ہیں۔ آپ قرآن کریم اور اس کی تفسیر پڑھتے ہوئے

ان دس علوم کے متعلق

سوچا کریں جو میں نے اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ بتائے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ ہر آیت قرآنیہ ان علوم میں سے کسی نہ کسی علم کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ قرآن کریم کی پہلی آیت سے لے کر آخری آیت تک انہی دس علوم کا ذکر ہے۔ کسی آیت کا کسی علم کے ساتھ تعلق ہے اور کسی کا کسی کے ساتھ۔ اور کہیں اللہ تعالیٰ مختلف دو علوم سے تعلق رکھنے والی دو آیتیں ملا کر ان سے کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ پس تفسیر پڑھتے ہوئے آپ یہ بھی سوچتے رہیں کہ جو آیات آپ پڑھ رہے ہیں ان کا کس علم سے تعلق ہے۔ اس سے آپ کو عملی دنیا میں بہت فائدہ پہنچے گا۔

آخر میں یہ کہہ کر دعا کے ساتھ اپنی افتتاحی تقریر کو ختم کروں گا کہ محض تقریریں سننے سے آپ کا تعلق خدا تعالیٰ سے قائم نہیں ہوسکتا۔ آپ بڑی اچھی مزیدار اور دل کو موہ لینے والی تقاریر سنیں آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ یا آپ اس مضمون سے متعلق مضامین اور کتابیں پڑھیں تب بھی آپ کا تعلق خدا تعالیٰ سے قائم نہیں ہوسکتا جب تک اس علم کے نتیجہ میں جو آپ حاصل کر رہے ہیں جن اعمال کی ضرورت ہے وہ اعمال آپ نہ بجالائیں اُس وقت تک تعلق باللہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ چاہے کتنی ہی تقریریں سنیں، کتابیں پڑھیں، آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اصل چیز عملی میدان میں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم

اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی وفا اور صدق کا تعلق

رکھتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اس تعلق کو توڑ نہیں سکتی۔ اگر ہم عملی دنیا میں یہ ثابت کردیں کہ جو تعلق ہمارا ہمارے رب کے ساتھ ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی تو ہمیں وہ انعامات ملیں گے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا تصور نہیں کرسکتی، اس دنیا میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی صحیح رنگ میں اور صحیح معنی میں اپنا بندہ بننے کی توفیق عطا کرے اور ان تمام ذمہ داریوں کے نباہنے کی توفیق عطا کرے جو اُس نے آپ پر یا مجھ پر عائد کی ہیں۔ آمین

رشید اینڈ برادرز سیالکوٹ کے

نئے ماڈل کے چولہے

(بلحاظ)

اپنی خوبصورتی مضبوطی تیل کی بچت اور افراط حرارت دنیا بھر میں

— بے مثال ہیں —

اپنے شہر کے ہر بڑے ڈیلر سے طلب کریں

کلام حسن رہتاسی

ایک احمدی بلندپایہ شاعر کا مجموعہ کلام قیمت -- ۲ روپے

سوونیئر ۲ - فاروق
مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کا مجلہ
قیمت صرف -۳/-

بُرہانِ ہدایت مصنفہ مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر قیمت صرف -۵/-

آج ہی طلب فرمائیے

گرین لینڈ بک سنٹر گول بازار ربوہ

درخواستِ دُعا

میرے بیٹے عزیزم ظفر احمد نے اس سال ماہ نومبر میں لندن سے چارٹرڈ اکاؤنٹنسی کا فائنل امتحان دیا ہے۔ نتیجہ عنقریب نکلنے والا ہے۔

احباب جماعت خصوصاً بزرگانِ سلسلہ اور صحابہ حضرت مسیح موعودؑ اسکی نمایاں کامیابی کیلئے دعا فرمائیں۔

(اہلیہ ڈاکٹر سردار علی صاحب مرحوم دارالرحمت غربی ربوہ ضلع جھنگ)

آلۂ مکبّر الصّوت

ہمارے میکو مارکہ (لاؤڈ سپیکر) MECO بیشتر مساجد اور دینی درسگاہوں میں گزشتہ اٹھارہ برسوں سے نہایت اعلیٰ اور تسلی بخش سروس دے رہے ہیں ہماری گارنٹی اس کی ساخت اور کارکردگی کی ضمانت ہے یہ گارنٹی تمام دفاتر دیتے ہیں

محمد ابراہیم اینڈ کمپنی ۱۹۵۳ء لمیٹڈ

ہیڈ آفس کراچی	لاہور	راولپنڈی	ڈھاکہ	چٹاگانگ
۱۴/۵۰۰ انفی ابرٹ روڈ صدر	۵۴ دی مال	۵/۹ دی مال	۸۵ موتی جھیل کمرشل ایریا	۲۹۱ صدر گھاٹ روڈ
فون نمبر ۵۵۰۳۱/۵۵۰۳۲	فون نمبر ۶۲۲۷۱ ۶۲۲۷۲	فون ۶۴۶۸۲	فون نمبر ۶۲۶۸۹	فون نمبر ۵۵۰۲۳